Volume 03, Issue 01,
January-March 2025
PP: 113-122
Open Access on:
www.alimanjournal.com

AL-IMAN Research Journal
P-ISSN: 3006-1261 E-ISSN: 3006-127X

بیسویں صدی کے اردو نعتیہ کلام میں عالمِ اسلام کے مسائل کی بازگشت

Resonance of Islamic World's Challenges in 20th-Century Urdu Nā'at Poetry

Munawar Ahmad[1], Sarwar Azeem Qurashi[2]

Article History

Received
25-01-2025

Accepted
22-02-2025

Published
26-02-2025

Indexing

WORLD of JOURNALS
ASIAN Research Index
Signatory of DORA
اردو جرائد اشاریہ
ACADEMIA
Google Scholar
EuroPub
REVIEWER CREDITS

Abstract

In the early 20th century, the decline and challenges faced by the Muslim world found a profound echo in Urdu Nā'tiyah shā'irī, a genre dedicated to the praise of Prophet Muhammad (PBUH). This article underscores the significant emphasis placed on the sociopolitical struggles of the Muslim Ummah within the Nā'at compositions of esteemed poets such as Altaf Hussain Hali, Hafeez Taib, Naeem Siddiqui, Syed Matloob Ali Zaidi, Shorish Kashmiri, Naaz Sethi, Syed Ameen Gilani, and others. The contemporary Muslim world continues to grapple with internal and external crises, particularly in regions like Kashmir, Palestine, Ṣūmālīā, Lubnān, Iritriyā, Afghānistān, and Miyānmār. Colonial powers have historically exploited Muslim nations through conspiracies, exacerbating their struggles. In the present scenario, Ghazza lies in ruins, while innocent Muslim lives are being lost in Palestine and Kashmir.

In response to these adversities, contemporary Nā'tiyah shā'irī serves as a beacon of hope, celebrating the grandeur and resilience of the Muslim Ummah. Poets continue to inspire the faithful by invoking the spiritual and historical magnificence of Islam. Syed Matloob Ali Zaidi poignantly warns that if the violence and bloodshed in Kashmir persist, this land—once akin to paradise—will be reduced to ashes.

Furthermore, the article delves into the historical roots of Nā'tiyah literature, tracing its origins back to Ṭubbā Ḥimyarī, an ancient king of Yaman. Even before the advent of Islam, he was influenced by divine prophecies foretelling the arrival of Prophet Muhammad (PBUH), and he composed verses in his praise and honor.

This study highlights how Nā'tiyah shā'irī has evolved as a powerful literary tradition, intertwining devotion with the socio-political consciousness of the Muslim world.

Keywords:

Nā'tiyah Shā'irī, Muslim Ummah, Urdu Poetry, Sociopolitical Challenges, Colonial Conspiracies, Islamic History, Prophetic Praise, Resilience, Hope, Contemporary Crises.

[1] *Assistant Professor, Urdu Department, Government Graduate College, Bhakkar, Punjab, Pakistan.*
[2] *Lecturer, Head of Department, University of Thal, Bhakkar, Punjab, Pakistan.*
sarwarazeem16@gmail.com

All Rights Reserved © 2023 This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

HIRA INSTITUTE of Social Sciences Research & Development
ROAD Directory of Open Access Scholarly Resources
OPEN ACCESS

تمہید

آسمانی الہامی کتب تورات، زبور، انجیل اور دوسرے صحائف میں آخری نبی حضرت محمد ﷺ کی آمد سے متعلق پیش گوئیاں موجود تھیں اور یہ پیش گوئیاں اور بشارتیں مسلسل ہزاروں سال تک ہوتی رہیں۔ ان بشارتوں کی روشنی میں یمن کے بادشاہ تبع حمیری اوّل نے حضرت محمد ﷺ کی شانِ اقدس میں نعتیہ انداز میں اشعار کہے۔ ان اشعار کو تاریخ میں اوّلین نعتیہ اشعار کی اہمیت حاصل ہے، جبکہ اوّلین نعتیہ شاعری میں ڈاکٹر علی محمد خان ورقہ بن نوفل کو اہمیت دیتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ ورقہ بن نوفل نے سب سے پہلے حضور ﷺ کی تعریف میں اشعار کہے جو کہ آج کے دور میں نعت کی اصطلاح کے مفہوم سے مطابقت رکھتے ہیں۔ اس لیے ان کے اشعار کو دنیا کی پہلی نعت کہا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر علی محمد خان لکھتے ہیں:

> "دنیا کی پہلی نعت کا سہرا حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے سر ہے۔ معروف ہے کہ جب آپ ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ ﷺ نہایت گھبرائے ہوئے، پسینے میں شرابور گھر تشریف لائے۔ ساری صورتِ حال معلوم ہونے پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو تسلّی دی اور ان کے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل نے نہ صرف آپ ﷺ کو اللہ کا آخری پیغمبر ہونے کی بشارت دی بلکہ تیرہ اشعار پر مشتمل ایک خوبصورت نعت بھی کہی، جو آج بھی محفوظ ہے"[1]

یمن کے بادشاہ تبع حمیری سے شروع ہونے والا مدحتِ خیر البشر ﷺ کا سلسلہ ارتقاء کے مراحل طے کرتا ہوا، آج کے دورِ جدید میں داخل ہو چکا ہے۔ بیسویں صدی میں نعت ایک تخلیقی نامیاتی وحدت کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ اب نعت کے ذریعے امتِ مسلم کی زبوں حالی اور مسائل کو بھی پیش کیا جا رہا ہے۔

عالم اسلام کے تمام اہم ممالک میں مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد آباد ہے، مگر اس اتنی بڑی تعداد کے باوجود عالم اسلام زبوں حالی کا شکار ہے۔ عالم اسلام کی سائنسی علوم کی جانب کم توجہ ہے اور صنعت و حرفت کے ساتھ ٹیکنالوجی کے علوم میں بھی بہت کم رجحان مسلمان ممالک میں ریکارڈ کیا گیا ہے۔ اسی لیے آج اُمت مسلم دوسری اقوام کے مقابلے میں بہت پیچھے رہ گئی ہے۔ اکثر اسلامی ممالک کچھ عرصہ مغربی دنیا کی نو آبادیات بھی رہی ہیں۔ مغربی دنیا کا نو آبادیاتی سسٹم اکثر اسلامی ممالک میں موجود تھا۔ 1947ء میں پاکستان کی آزادی کے ساتھ ہی عالم اسلام میں بھی آزادی کی لہر اُٹھی اور تقریباً تمام اسلامی ممالک نے مغربی سامراج کی غلامی سے نجات حاصل کی اور آج آزاد دنیا کی فضا میں سانس لے رہے ہیں، مگر اس کے باوجود آج بھی فلسطین، کشمیر، لبنان، بوسنیا ہرزگوینیا، کوسوو، میانمار وغیرہ میں مسلمان زبوں حالی کا شکار ہیں اور افغانستان بھی ایک طویل عرصہ روس اور امریکہ کے شکنجے میں رہا ہے اور ان کی چیرہ دستیوں کا سامنا کیا ہے۔ عالم اسلام کے مسائل کی آواز سب سے پہلے ہمیں خواجہ الطاف حسین حالی کی شاعری میں سنائی دیتی ہے۔ اپنی نظم "اسلامی مساوات" میں وہ الگ انداز سے عالم اسلام کے لوگوں کے قلوب کو جھنجوڑتے دکھائی دیتے ہیں۔ مولانا الطاف حسین حالی اپنی اس نظم میں خوشحال ملکوں کے مسلمانوں کو غریب اسلامی ممالک اور غریب مسلمانوں کی مدد کی ترغیب دیتے ہوئے کہتے ہیں:

"پریشاں اگر قحط سے اک جہاں ہے
تو بے فکر ہیں کیونکہ گھر میں سماں ہے
اگر باغِ امت میں فصلِ خزاں ہے
تو خوش ہیں کہ اپنا چمن گل فشاں ہے

بنی نوعِ انساں کا حق اُن پہ کیا ہے

وہ اک نوع، نوعِ بشر سے جدا ہے "[2]

حالی اپنے دور میں ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت درست کرنے کے لیے مختلف حل سوچتے اور وہ چاہتے تھے کہ مسلمان اپنے گزشتہ ماضی کی مانند تمام دنیا پر حکومت کریں اور عہدِ رفتہ کی طرح اپنی معیشت، سیاست اور تعلیمی حالت کو بہتر بنا کر قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی مانند ہو جائیں۔ مگر خواجہ الطاف حسین حالی نے محسوس کیا کہ کہ مسلم قوم بہت ہی زیادہ خوابِ غفلت کا شکار ہے، تو انہوں نے "مسدس حالی" لکھ کر مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے جگانے کی کوشش کی۔ حفیظ تائب نے بھی بہت عمدہ نعتیں لکھیں۔ حفیظ تائب 14 فروری 1931ء کو صوبہ پنجاب کے ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ اور 2004ء میں انتقال ہوا۔ حفیظ تائب کی نعتیہ شاعری منفرد مقام رکھتی ہے۔ انہوں نے روایت سے ہٹ کر نعت نگاری کا نیا انداز اپنایا۔ ان کے نعتیہ کلام میں بھی عالمِ اسلام اور امتِ مسلم کی زبوں حالی کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ آج تمام معاشرہ انتشار کا شکار ہے۔ آج کا انسان ہی دوسرے انسان کا گلا کاٹ رہا ہے، نفسا نفسی کا عالم ہے، انسان ہی انسان کا دشمن ہے، انسانوں کے افکار اندھیروں کی لپیٹ میں ہیں۔ حفیظ تائب امتِ مسلمہ کے تنزل کی وجہ اسلامی قوانین پر عمل نہ کرنے کو قرار دیتے ہیں۔ ملتِ اسلام آج اسی لیے زبوں حالی کا شکار ہے کہ اس نے تعلیماتِ اسلامی پر عمل درآمد میں سستی کی ہے۔ جس کی وجہ سے زوال کے تحت الثریٰ میں گرنے کا عمل تیز رفتاری سے جاری ہے۔ آج غیر مسلم طاقتیں مسلمانوں کو مٹانے کے درپے ہیں۔ مسلمان حکومتیں خود غرضی اور سامراجی طاقتوں کی ریشہ دوانیوں کا شکار ہو چکی ہیں۔ قرونِ اولیٰ اور قرونِ وسطیٰ میں مسلمانوں نے فزکس، بیالوجی، کیمسٹری، جغرافیہ، سیاسیات، معاشیات، فلسفہ وغیرہ میں حیرت انگیز ترقی کی۔ مگر افسوس یہ بزرگوں کی میراث کی حفاظت نہ کر سکی اور زوال کا شکار ہو گئی۔ حالانکہ یورپ کو علوم وفنون اور سوشل سائنسز نے مسلمانوں ہی نے روشناس کروایا تھا۔ یورپ میں "تحریک احیائے علوم" کا باعث مسلمان قوم کی علم دوستی ہے۔ قومِ مسلم آج ہر جگہ مظلوم ہے۔ فلسطین کا علاقہ غزہ دنیا کی سب سے بڑی جیل کا منظر پیش کر رہا ہے۔ حفیظ تائب نے قومِ مسلم کو "ملّتِ بیضا" کہہ کر پکارا ہے:

"کارزارِ دہر میں وجہ سکوں وجہ ظفر

عرصہ محشر میں وجہ درگزر خیر البشر ﷺ

رونما کب ہو گا راہِ زیست پر منزل کا چاند

ختم کب ہو گا اندھیروں کا سفر خیر البشر ﷺ

کب ملے گا ملّتِ بیضا کو پھر اوجِ کمال

کب شبِ حالات کی ہو گی سحر خیر البشر ﷺ "[3]

اس ضمن میں کشمیر کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ جنتِ ارضی کشمیر کا مسئلہ پوری دنیا کے لیے ایک نازک مسئلہ بن چکا ہے۔ کشمیر کو ہندوستان اپنا اٹوٹ انگ قرار دیتا ہے تو دوسری جانب مملکت خداداد پاکستان کشمیر کو اپنی شہ رگ قرار دیتا ہے۔ دراصل ریاستِ کشمیر کا مسئلہ تقسیم ہند کے ایجنڈے کا اہم نکتہ تھا۔ جب ہندوستان پاکستان کی تقسیم کے لیے ایک فارمولا اخذ کیا جانے لگا تو یہ باہمی گفت وشنید سے طے پایا تھا کہ مسلم اکثریت کے علاقے اور ریاستیں پاکستان میں، جبکہ غیر مسلم اکثریت کے علاقے اور ریاستیں ہندوستان میں شامل ہوں گی۔ یہ فارمولا انگلستان کی حکومت نے ہندوستان کی دو بڑی سیاسی جماعتوں آل انڈیا نیشنل کانگریس اور آل انڈیا مسلم لیگ کے درمیان طویل باہمی گفت وشنید کے بعد طے کیا تھا، چونکہ کشمیر کی اکثریت مسلمانوں پر مشتمل تھی لہٰذا کشمیری مسلمان اپنا الحاق پاکستان کے ساتھ کرنا چاہتے تھے اور اپنی زندگی اسلامی اصولوں کے مطابق پاکستان کے ساتھ بسر کرنا چاہتے تھے۔ 1947ء میں تقسیم برصغیر کے وقت جنوبی ایشیا میں 568 ریاستیں تھیں۔ تقسیم کے اس

اصول کے تحت غیر مسلم ریاستوں کا الحاق بھارت کے ساتھ اور اسلام پسند عوام اور ریاستوں کا الحاق پاکستان کے ساتھ ہونا چاہیے تھا، مگر ہندوستان نے ایک سازش کے تحت 29 اکتوبر 1947ء کو ریاست جموں و کشمیر پر ظالمانہ قبضہ کرنے کی کوشش کی اور تقسیم ہند کے طے شدہ منصوبے کو بائی پاس کرتے ہوئے چور دروازے سے کشمیر کو اپنے ساتھ ملانا چاہا، مگر ناکام رہا۔ اگر اس مسئلہ کے پسِ منظر کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ 1819ء سے اپنے مسائل کے حل کی تلاش میں ہے۔ 1819ء میں جب کشمیر میں اسلامی دور حکومت ختم ہوا تو سکھوں کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ سکھوں کا دور اہلیانِ کشمیر کے لیے ایک تاریک دور کی حیثیت کا حامل ہے۔ سکھوں نے اپنے دور میں مسلمانوں پر بے پناہ مظالم کیے۔ 1846ء میں انگریزوں نے سکھوں پر فتح پا کر کشمیر کو پچھتر لاکھ روپے کے عوض مہاراجہ گلاب سنگھ ڈوگرہ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ یہ جنوبی ایشیاء اور تاریخِ عالم میں بدترین تجارت تھی۔

کشمیر کی فروخت کے متعلق اکرام ربّانی لکھتے ہیں:

> "The total Population of the State, according to 1941 censes, was about 4,000,000. Which comprised majority of Muslim residents. The Muslims were in clear majority in every province of the valley. The State of Jammu Kashmir were ruled by a Dogra ruler Gulab Singh. The Dogra dynasty had purchased the state, from the British Government in 1846 for 7.5 million of rupees."[4]

یہ 1947ء کا سال تھا۔ جب مسلم لیگ، کانگریس اور برٹش گورنمنٹ کے درمیان ہندوستان کی تقسیم کا کلیہ طے پا گیا۔ مہاراجہ آف کشمیر نے پہلے تو آزاد رہنے کی کوشش کی مگر جب یہ دیکھا کہ کشمیری عوام میں حکومتِ کشمیر کے اس اقدام سے اضطراب پھیل رہا ہے اور کشمیری مسلمان اس اقدام کو تسلیم نہیں کریں گے، تو پھر بھارت کے ساتھ الحاق کی سازش کرنے لگا۔ پس کشمیری مسلمان مہاراجہ ہری سنگھ اور حکومتِ ہندوستان کے عزائم کو بھانپ کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ جس کی وجہ سے ہری سنگھ بھاگ کر جموں چلا گیا۔ بھارت نے دعویٰ کر دیا کہ مہاراجہ نے کشمیر کا الحاق ہندوستان کے ساتھ کر دیا ہے۔ مگر ماہرینِ تاریخ اور سیاسی محققین کا دعویٰ ہے کہ یہ بات ایک مفروضہ ہے اور انڈین گورنمنٹ آج تک الحاق کی دستاویز دنیا کے سامنے پیش نہ کر سکی۔ اقوامِ متحدہ کی قراردادوں کے باوجود آج تک بھارت نے کشمیریوں کو حقِ خودارادیت نہیں دیا۔

مسئلہ کشمیر نہ صرف ڈیڑھ کروڑ انسانوں کی زندگی موت کا مسئلہ بن چکا ہے، بلکہ یہ پاکستان کی آزادی، سلامتی اور استحکام کا معاملہ ہے۔ اس کو نظر انداز کرنا دراصل پاکستان کے وجود کے انکار کرنے کے مترادف ہے۔ اس مسئلے پر کئی جنگیں ہو چکی ہیں۔ اقوامِ متحدہ "UNITED NATION ORGANIZATION" ریاست کشمیر کے مسئلے کو استصوابِ رائے کے ذریعے حل کرنا چاہتی ہے۔ پاکستان اقوامِ متحدہ کے اس فیصلے کو قبول کرتا ہے لیکن ہندوستان اس فیصلے کو مکر و فریب کے ساتھ نہ صرف ٹالتا آ رہا ہے بلکہ حقِ خودارادیت مانگنے کے جرم کی پاداش میں کشمیری قوم پر مزید ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ رہا ہے۔

پاکستان کے مشہور شاعر مطلوب علی زیدی خاندانِ سادات کے چشم و چراغ ہیں ان کا تعلق پاکستان کے صوبہ پنجاب کے جنوبی علاقے کے مشہور تاریخی شہر بہاول پور سے ہے۔ آپ بہاول پور میں شعبہ انگلش لٹریچر سے بطور ایسوسی ایٹ پروفیسر وابستہ رہے ہیں۔ ان کی شاعری کا مجموعہ "صبوحی" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ مطلوب زیدی نے اپنی شاعری میں دورِ حاضر کے مسائل کے ساتھ ساتھ عالمِ اسلام کی زبوں حالی کا ذکر بھی کیا ہے اور کشمیر کا تذکرہ اس انداز سے فرماتے ہیں:

"ہر طرف کالی گھٹائیں، آندھیاں ہیں، اے حضور
شمعِ حق نوحہ کناں ہے، میرے ختم المرسلیں

کفر نے کشمیر کو دوزخ بنایا ہے جناب
راکھ ہو جائے نہ یہ تصویرِ فردوسِ بریں"[5]

آج کشمیر میں ہندوستان کی تقریباً سات لاکھ فوج تعینات ہے، جو کشمیری عوام پر مظالم کے پہاڑ توڑ رہی ہے۔ بے گناہ مسلمانوں کے گھر جلائے جا رہے ہیں۔ ماورائے عدالت قتل کیے جا رہے ہیں۔ نہتے مسلمانوں کو رات گئے گھروں میں چھاپے مار کر اٹھالیا جاتا ہے اوراس کے بعد لاپتہ کر دیا جاتا ہے۔ عقوبت خانوں میں انسانیت سوز مظالم کیے جاتے ہیں۔ ان مظالم کو دیکھ کر مطلوب علی زیدی نے مولانا حالی کی تضمین کرتے ہوئے ،حالی ہی کے لہجے میں بیان کیا:

"وہ جنتِ ارضی وہی فردوس کی تصویر
وہ باغِ جناں، رشکِ چمن، وادی کشمیر
کافر یہ سمجھتا ہے، اس کی ہے وہ جاگیر
سب آگ میں جلتے ہیں، معصوم و جواں پیر
عصمت کی حفاظت نہ کسی سر پہ رداء ہے
اے خاصہ ءخاصانِ رسل وقتِ دعاء ہے
وہ زخم ہیں دل پر کہ دکھائے نہیں جاتے
وہ درد کے قصے ہیں کہ سنائے نہیں جاتے
جذبے ہیں وہ شعروں میں سنائے نہیں جاتے
آقا یہ ستم ہم سے اُٹھائے نہیں جاتے
مطلوب کے ہونٹوں پہ فقط ایک صدا ہے
اے خاصہ ءخاصانِ رسل وقتِ دعاء ہے"[6]

آغا شورش کاشمیری مجاہدِ ختمِ نبوت، سچے عاشقِ رسول اور بے مثال، نڈر بے باک صحافی تھے۔ ان کا اصل نام عبد الکریم تھا۔ ان کے رسالے "چٹان" کو صحافت کے میدان میں ایک سنگِ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ آپ نے ختمِ نبوت کی حفاظت کے لیے لمبا عرصہ جیل میں گزارا۔ مولانا ظفر علی خان کی مانند عشقِ رسالت ان کے خون میں حلاوت کے ساتھ موجزن اور ان کے رگ وپے میں سرایت کر چکا تھا۔ شورش کاشمیری نے اپنی ایک نظم "میرا قلم بھی تلوار ہو گیا" میں مجاہدین کو بادہ کشانِ عشقِ پیغمبر قرار دیا ہے۔

شورش کاشمیری فرماتے ہیں:

"جوشِ جہادِ خواجہ کونین کے طفیل
اقبال کے وطن کا نگر دار ہو گیا
بادہ کشانِ عشقِ پیغمبر نکل پڑے
اس صف میں جو بھی آ گیا سرشار ہو گیا"[7]

گوہر ملسیانی دورِ جدید کے عمدہ نعت گو شاعر ہیں۔ ان کی نعت میں امتِ مسلم کی زبوں حالی کا جابجا تذکرہ ملتا ہے۔ عالم اسلام اور مسلم عوام کی حالتِ زار کا ذکر ان کی شاعری میں پایا جاتا ہے۔ گوہر ملسیانی نے کشمیریوں پر مظالم کا احوال دورِ حاضر کے ذرائع ابلاغ کے ذریعے دیکھا اور

عالمِ اسلام کی بے چارگی کو محسوس کیا۔ کشمیریوں کے دکھ درد کو اپنا درد سمجھا اور اپنے نعتیہ کلام میں اسے اس طرح بیان کیا کہ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ملت اسلامیہ اور کشمیریوں کے خون کے قطرے ان کے قلم سے ٹپک رہے ہوں۔ گوہر ملسیانی بحضور دربارِ رسالت ﷺ میں کچھ اس انداز سے

عالمِ تخیل میں بیان کرتے ہیں:

"تڑپا زبان پہ قصہ دردوالم حضور
امت پہ آج عام ہے ظلم و ستم حضور
ارزاں ہوا ہے دہر میں اسلامیوں کا خون
زخموں سے چور چور ہیں عرب و عجم حضور
کشمیر میں بھی جور ہے لیکن ترے غلام
تھامے ہوئے ہیں آج کل تیرا علم حضور
اس وادئ چنار میں کر گھسے ہیں خیمہ زن
قابض ہیں اس پہ دیر سے اہلِ صنم حضور
ہر شہر میں فساد ہے ہر کوچہ قتل گاہ
ہوتے ہیں روز و شب کئی سر قلم حضور
کر دیں جو بارگاہِ مقدس میں التماس
مل جائے ان کو پھر وہی جاہ و حشم حضور"[8]

ناز سیٹھی پاکستان کے مشہور شاعر اور عمدہ نعت کہنے والے ہیں۔ وہ جب کشمیری مسلمانوں کے جلتے ہوئے گھروں کو دیکھتے ہیں۔ خواتین پر مظالم، بزرگ بوڑھے مسلمانوں پر ظلم وستم دیکھتے ہیں تو آبدیدہ ہو جاتے ہیں۔ مسلمانوں کے خون کی ندیاں دیکھ کر، وہ انتہائی دکھ محسوس کرتے ہیں۔ تو دربارِ رسالت میں کشمیری مسلمانوں کی حالتِ زار کو اس طرح پیش کرتے ہیں:

تلاطم خیز ہے طوفانِ غم کشمیر میں شاہا
نزولِ صد بلا ہے، دم بدم کشمیر میں شاہا
نکالا گھر سے کشمیری مسلمانوں کو اور ان پر
کیا ہے دشمنِ دیں نے ستم کشمیر میں شاہا
مسلمانوں کے خوں سے سرخ ہے رنگِ شفق اس کا
زمیں خونِ شہیداں سے ہے نم کشمیر میں شاہا
فلک روتا ہے خوں، ان بے کسوں کی خاکِ تربت پر
کیا کفار نے جن پر ستم کشمیر میں شاہا
دعا ہے ناز کشمیری مسلمانوں کے حق میں یہ
ہو ان کے آگے سر باطل کا خم کشمیر میں شاہا[9]

عاطر ہاشمی پاکستان کے کے معروف شاعر ہیں۔ان کی شاعری میں وطن سے محبت کا رنگ نمایاں دکھائی دیتا ہے۔ان کی شاعری میں عہدِ حاضر کا تہذیبی اور سماجی شعور واضح دکھائی دیتا ہے۔وہ اپنی مشہور نظم "وادیٔ کشمیر سے" میں فردوسِ بریں کشمیر کو عظمتِ شاہِ لولاک ﷺ کے سہارے سے امید کا پیغام دیتے ہیں کہ ایک دن آئے گا کہ کشمیر آزاد ہو گا، مظلوم کشمیری مسلمانوں کو سکون اور آرام کی زندگی نصیب ہو گی اور وہ کشمیر کے کہساروں، درختوں میں آزاد فضا میں سانس لیں گے۔عاطر ہاشمی تحریک آزادی کشمیر کے متعلق فرماتے ہیں:

چمکائیں گے ہم تیرے مقدر کے ستارے

ہاں، اس شہ لولاک ﷺ کی عظمت کے سہارے

اے خواب کی تعبیر! اے وادیٔ کشمیر![10]

پروفیسر عنایت علی خان اگرچہ طنز و مزاح کی قوسِ قزح کا ایک خوبصورت رنگ ہیں۔ مگر انہوں نے مزاحیہ شاعری کے ساتھ سنجیدہ شاعری میں امتِ مسلمہ کے مسائل کا ذکر کیا ہے۔عنایت علی خان امتِ مسلمہ کا درد رکھنے والے سچے مسلمان تھے۔جہاں عنایت علی خان نے عالمِ اسلام کے تمام مصائب زدہ علاقوں میں تڑپتے ہوئے مسلمانوں کی کہانی کو بیان کیا ہے، وہاں کشمیر کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے۔وہ اپنی شاعری میں کشمیر کی فریاد اس طرح پیش کرتے ہیں:

ارضِ کشمیر سے آتی ہے یہ دلدوز صدا

اے خدا! اب تو کسی مددگار کو بھیج

اپنی روداد الم جا کے سناؤں کس کو

اور یہ حالِ زبوں جا کے بتاؤں کس کو

داغِ دل زخم جگر جا کے دکھاؤں کس کو

کس کو آواز دوں نصرت کو بلاؤں کس کو

اے خدا! اب تو کسی مددگار کو بھیج[11]

عزیز لدھیانوی ہماری قومی اور ملی شاعری کے درخشندہ ستارے ہیں۔ان کی قومی اور ملی شاعری ہماری خوابیدہ غیرت و حمیت کو بیدار کرتی ہے۔ان کے مطابق مملکتِ خداداد پاکستان اللہ تعالیٰ کی نعمتِ مترقبہ ہے۔اس کے لیے کشمیر کا وجود جزوِ لاینفک ہے۔اس پاک سرزمین کا محافظ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور حامی شاہِ عرب و عجم، رحمت العالمین ﷺ ہیں۔عزیز لدھیانوی فرماتے ہیں:

ہے پاک اپنی سرزمیں

شیروں کے ہے زیرِ نگیں

حق کی مدد ہے بالیقیں

حامی شاہِ عرب و عجم

آؤ! چلیں کشمیر ہم

اس کا محافظ ہے خدا

حامی شاہِ ارض و سماء

سر ہے بلند اسلام کا

قرآن میں ہے یہ رقم
آؤ! چلیں کشمیر ہم[12]

ساتویں صدی عیسوی کے شروع میں جب اسلامی افواج نے نارتھ افریقہ، ساؤتھ ویسٹ ایشیا اور مشرقی و جنوبی یورپ کے بیشتر حصوں کو فتح کر کے اسلامی گورنمنٹ میں شامل کر لیا تھا۔ آبنائے جبرالٹر کو مسلمانوں نے 712ء میں فتح کیا پھر سپین اور فرانس کے کچھ علاقوں پر مسلمان تقریباً 500 سال حکومت کرتے رہے۔ جنوبی یورپ تمام سپین جس کا پرانا نام اندلس تھا اور جنوبی فرانس 1492ء تک مسلمان اقوام کے کنٹرول میں رہے اور یہاں پر اسلامی حکومت کا قیام عمل میں رہا۔ لیکن مارٹل کی فتح کے بعد یورپ کا سب سے بڑا مذہب پھر سے عیسائیت بن گیا اور مسلمان سپین سے نکال دیئے گئے۔ عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان فلسطین اور یروشلم پر قبضہ کرنے کے لیے کئی لڑائیاں ہوئی ہیں۔ رومن سلطنت کے زوال کے بعد اسلام اور عیسائیت اس علاقہ پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ برسرپیکار رہے ہیں۔ کیونکہ سب سے بڑی وجہ ہے کہ فلسطین کا علاقہ تمام دنیا کی تین اقوام یہودیت، عیسائیت اور اسلام سب کے لیے مقدس ہے۔ اگرچہ یہودیت ایک یونیورسل مذہب نہیں ہے مگر تورات اور زبور کے اکثر حوالوں میں اور یہودیت سے متعلق واقعات یہودیت کی تمام تاریخ اسی فلسطین کے علاقے سے منسوب بتاتے ہیں۔ اگرچہ قوم یہود کی تمام تاریخ اسی علاقے سے تعلق رکھتی ہے مگر یہودیوں کو کئی بار اس علاقہ سے نکالا گیا ہے یا ان کو اس علاقے میں آنے کی اجازت نہیں تھی۔ ساتویں صدی عیسوی میں فلسطین پر اسلامی پرچم لہرایا گیا۔ اگرچہ کچھ عرصہ کے لیے عیسائیوں کے قبضے میں فلسطین چلا گیا تھا مگر 1917ء تک مسلمانوں ہی کے پاس رہا۔ مسلمان فلسطین کے شہر یروشلم اور بیت المقدس کو اپنے لیے تیسرا اہم مقدس اور مذہبی شہر تسلیم کرتے ہیں کیونکہ یروشلم مکہ اور مدینہ کے بعد مسلمانوں کے لیے سب سے زیادہ قابل احترام سرزمین ہے۔ اسی شہر میں "ڈوم آف دی راک" بھی موجود ہے۔ یہاں سے تھوڑا سا جنوب میں مسجد اقصیٰ موجود ہے جہاں معراج کی رات حضرت محمد ﷺ نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی امامت کروائی تھی۔ یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ جہاں مسجد اقصیٰ موجود ہے دراصل کبھی یہاں دو اہم یہودی ٹیمپل ہوا کرتے تھے۔ جن کو سن 70 عیسوی میں رومیوں نے گرا کر ختم کر دیا تھا۔ اب صرف ان میں سے ایک مغربی دیوار باقی رہ گئی ہے۔ جسے عیسائی اور مسلمان دیوار گریہ کے نام سے پکارتے ہیں۔ عیسائی مذہب کے نزدیک بھی یروشلم بڑا مقدس ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے اکثر واقعات کا تعلق اسی علاقے سے ہے۔ عیسائی مذہب کے ماننے والے 150 سال تک اس علاقے کو فتح کرنے کے لیے مسلمانوں سے صلیبی جنگیں لڑتے آئے ہیں۔ پہلی صلیبی جنگ سن 1099 میں ہوئی جس میں عیسائیوں نے مسلمانوں سے فلسطین چھین لیا لیکن جلد ہی 1187 میں یعنی 88 سال کے بعد مسلم قوم نے اسے دوبارہ فتح کر لیا۔ پھر یہی فتح تیسری صلیبی جنگ کی وجہ بنی۔ جس میں 1229ء میں اس پر عیسائیوں کا دوبارہ قبضہ ہو گیا لیکن اس سے کچھ سال بعد 1244ء میں صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں مسلمانوں نے تمام فلسطین دوبارہ عیسائیوں کے قبضے سے آزاد کروا لیا اور 1917ء تک یہ علاقہ مسلمان اقوام کے قبضے میں رہا ہے۔

مسئلہ فلسطین کے متعلق افتخار اکرم چودھری لکھتے ہیں:

"پہلی جنگ عظیم میں ترکی خلافت عثمانیہ کو شکست ہوئی، تو یہ فلسطین کا علاقہ برطانیہ کے حوالے کر دیا گیا۔ برطانوی کنٹرول کے زمانے میں یہودیوں کو دوبارہ فلسطین کی طرف آنے کی اجازت دی گئی۔ نتیجہ کے طور پر بہت سے یہودی دوسرے ممالک سے فلسطین کا رخ کرنے لگے، لیکن عرب ممالک کے دباؤ کی وجہ سے 1930ء میں ایک دفعہ پھر یہودیوں کی فلسطین کی طرف آمد کو روک دیا گیا۔ یہاں تک کہ دوسری عالمگیر جنگ کے بعد فلسطین کے اندر یہودی آبادکاروں اور

۔اقوام متحدہ اور مغربی طاقتوں نے مل کر فلسطین کے علاقے کی تقسیم کے حق میں ووٹ دیا تاکہ اسے یہودی اور فلسطینی مسلمانوں کو کی دو آزاد ریاستوں میں تقسیم کر دیا جائے اور یروشلم کو بین الاقوامی عالمی شہر قرار دیا جائے، جسے اقوام متحدہ اپنے تحت رکھے مگر 1948ء میں قیام اسرائیل کے بعد مغربی طاقتوں کی شہ پر جارحانہ پالیسیوں اور جنگوں کی وجہ سے فلسطینیوں کو اپنے ہی علاقوں سے ہاتھ دھونا پڑے۔ نتیجے کے طور پر بہت سے فلسطینی عرب ہمسایہ ممالک میں مہاجرین کی صورت میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے"[13]

15مئی 1948ء کو اسرائیل کے قیام کا اعلان کیا گیا۔ اس کے بعد عرب اسرائیل جنگ چھڑ گئی۔ جس میں عربوں کو شکست ہوئی۔ اس کے بعد 1956ء، 1963ء اور 1973ء میں عربوں اور اسرائیل کی جنگیں ہوئیں، مگر ہر دفعہ عربوں کو شکست ہوئی۔ جس کے نتیجہ کے طور پر اسرائیل نے عربوں کے کئی علاقے اپنی تحویل میں لے لیے اور عربوں کے بنیادی حقوق بھی غصب کر لیے۔ وہ فلسطینیوں کے جائز حقوق بھی دینے کو تیار نہیں ہے۔ آئے دن فلسطین کے مسلمانوں کے مسائل میں اضافہ ہو رہا ہے۔ نعیم صدیقی نے ان مسائل کو اس طرح بیان کیا ہے:

بستی بستی، وادی وادی، صحرا صحرا خون
امت والے! امت کا ہے کتنا سستا خون
ایک نظر سرکارِ معلیٰ! کابل تا لبنان
محروموں کا، مظلوموں کا معصوموں کا خون[14]

اسرائیل کے مظالم کا سلسلہ صرف عوام پر ہی نہیں بلکہ ان کے مذہبی مقامات کو بھی نہیں بخشا جاتا۔ یہودیوں نے مسجدِ اقصیٰ کو بھی آگ لگائی۔ تو عالم اسلام میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ نذیر قیصر اللہ تعالیٰ کے حضور اس طرح عرض فرماتے ہیں:

اے خدا دیکھ یہ عہدِ نمرود
صحنِ اقصیٰ لہو رنگ ہوا
جلتے اوراق لیے، بجھتی ہوئی شام لیے
لب پہ تیرا نام لیے
آگ میں لپٹے ہوئے گنبد و محراب ترے
صف بہ صف جلتے ہوئے حرف و صدا
راکھ میں بکھرے ہوئے دستِ صبا[15]

سید مطلوب علی زیدی کے دل میں امتِ مسلمہ کے لیے بھرپور درد تھا۔ وہ امتِ مسلمہ کی تباہی اور بربادی پر خون کے آنسو روتے ہیں۔ ان کے مطابق خونِ مسلم اتنا ارزاں اور سستا ہو چکا ہے کہ وہ افغانستان، اری ٹیریا، صومالیہ، روہنگیا، لبنان، کشمیر اور فلسطین میں ہر روز بہایا جا رہا ہے۔ وہ خواجہ الطاف حسین حالی کے انداز میں اور ان کے مصرعے کی تضمین کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ظالم ہے فلک اور مکدر ہیں فضائیں
طوفاں ہے بہت تیز، مخالف ہیں ہوائیں
ڈر ہے کہ یہ چپو بھی کہیں ٹوٹ نہ جائے
ہیں تیری طرف امتِ عاصی کی نگاہیں

کشتی کا بھروسہ ہے نہ ساحل کا پتہ ہے

"اے خاصہ خاصانِ رسل وقتِ دعاء ہے"[16]

بیسویں صدی میں عالمِ اسلام کی زبوں حالی اور تقدیر بدلنے کی جو آواز مولانا الطاف حسین حالی نے اردو نعتیہ انداز کلام میں بلند کی تھی ۔اس کی صدائے بازگشت بیسویں صدی کے آخر اور اکیسویں صدی کے شروع میں شدت سے سنی گئی ہے۔عالمِ اسلام کی زبوں حالی کے خاتمے کے لیے مسلمان قوم کے اجتماعی شعور کو اجاگر کرنا ہو گا۔سائنس اور ٹیکنالوجی کا اسلامی دنیا میں فروغ بہت ضروری ہے۔اس کے بغیر عالمِ اسلام ترقی نہیں کر سکتا۔صنعت و حرفت کے جدید ذرائع کا استعمال کرنا ہو گا۔آج دنیائے اسلام کا سب سے بڑا مسئلہ آپس میں اتفاق و اتحاد کا نہ ہونا ہے۔مسلمان ممالک آپس میں متحد ہو جائیں تو دنیا کی سب سے بڑی سیاسی، معاشی اور عسکری قوت بن کر اُبھریں اور صرف اسی طریقے سے امتِ مسلمہ کے مسائل کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔

حوالہ جات:

1 علی محمد خان، ڈاکٹر، "**اصنافِ نظم ونثر**"(لاہور:الفیصل ناشران و تاجرانِ کتب، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، 2019ء)، ص53، 52-

2 حالی، الطاف حسین، مولانا، **اسلامی مساوات مشمولہ** "سرمایہ اردو"(لاہور: پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، ایڈیشن اوّل، جولائی 2022ء)، ص101-

3 حفیظ تائب، "**نعت**"مشمولہ "سرمایہ اردو"(لاہور: پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، جولائی 2022ء ایڈیشن اوّل)، ص97-

4 Rubbani, Muhammad Ikram, Professor, "**A Comprehensive Book of Pakistan Studies**",Lahore, The Carvan Books,1992, P22-

5 زیدی، مطلوب علی، سید، "**صبوحی**"(لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، اشاعت اوّل، 1997ء)، ص96-

6 ایضاً ص122-

7 شورش کاشمیری، "**کلیاتِ شورش کاشمیری**"(لاہور: مکتبہ چٹان، اشاعت اول، 1996ء)، ص511-

8 ملسیانی، گوہر، "**متاعِ شوق**"(صادق آباد: گوہر ادب پبلی کیشنز، اشاعت اوّل)، ص20-

9 سیٹھی، ناز، "**نغماتِ پاک**"(پشاور: منظورِ عام پریس، اشاعت اوّل، 1967ء)، ص17-18-

10 ہاشمی، عاطر، مشمولہ "**گلبانگِ چہار**"مرتب: طاہر شادانی، (لاہور: ایوانِ ادب، اشاعت دوم، 1965ء)، ص171-

11 خان، عنایت علی، پروفیسر، **عنایتیں کیا کیا**، (لاہور: منشورات، اشاعت اول)، ص66-

12 لدھیانوی، عزیز، "**نغماتِ عابد**"(مرتب)، (گوجرانوالہ: اشاعتِ اول 1981ء)، ص67 ، 68-

13 چودھری، اکرم، محمد افتخار، "**تعارف انسانی جغرافیہ**"(لاہور: علمی کتاب خانہ، کبیر سٹریٹ، اردو بازار، 2017ء)، ص21-

14 صدیقی، نعیم، "**نور کی ندیاں رواں**"(لاہور: منصورہ، ادارہ معارفِ اسلامیہ، اشاعت اوّل)، ص36-37-

15 فتح محمد ملک، "**فلسطین اردو ادب میں**"(مرتب)(راولپنڈی: مطبوعاتِ حرمت، اشاعت فروری، 1983ء)، ص210-

16 زیدی، مطلوب علی، سید، "**صبوحی**"(لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، اشاعت اوّل، 1997ء)، ص121-